محمد حامد سراج کے افسانوں میں عالمی انتشار کی جہتیں

ایاز خان
پی ایچ ڈی اسکالر قرطبہ یونیورسٹی پشاور
سلام اللہ
پی ایچ ڈی اسکالر قرطبہ یونیورسٹی پشاور
فضل کبیر
پی ایچ ڈی اسکالر، اسلامیہ یونیورسٹی پشاور

Abstract

In Muhammad Hamid Siraj's work of fiction, the root causes of global chaos and instability include, misguidance, selfishness, the pursuit of power and wealth and the misuse of technology. One aspect of global chaos is the oppression of the Muslim world, another aspect is the exploitation of weak counties with resources. The effects and consequences of global chaos are that the human race is in danger of extinction. The whole world is in the grip of unrest. Instability and insurgency in every region of the world is clearly visible.

اردو تلخیص

محمد حامد سراج کے افسانوں میں عالمی انتشار اور بدامنی کے بنیادی وجوہ میں انسان کا راہ راست سے بھٹکنا، مفاد پرستی، طاقت اور دولت کا حصول، ٹیکنالوجی کا غلط استعمال شامل ہیں۔ عالمی انتشار کی ایک جہت مسلم دنیا پر ظلم ڈھانے کی ہے، ایک جہت کمزور مگر وسائل سے مالامال ممالک کا استحصال ہے۔ عالمی انتشار کے اثرات و نتائج یہ نکلتے ہیں کہ نسل انسانی کی معدومی کا خطرہ لاحق ہے۔ دنیا بدامنی کی لپیٹ میں آچکی ہے۔ عدم استحکام اور شورش دنیا کے ہر خطے میں نظر آرہا ہے۔

کلیدی الفاظ: حامد سراج، عالمی انتشار، بدامنی، ٹیکنالوجی، استحصال، وسائل، شورش۔

محمد حامد سراج کے افسانوں کا کینوس پاکستانی معاشرے کے مسائل تک محدود نہیں بلکہ وہ عالمی دنیا کے مسائل سے بھی کماحقہ آگاہی رکھتے ہیں۔ عالمی ریشہ دوانیاں، سازشیں، امن کے نام پر چھوٹے ممالک کا استحصال، امریکی عیاریاں، عرب ممالک کی عیاشیاں، دیگر اسلامی ممالک کی کم ہمتی اور بے حسی وغیرہ کا ذکر حامد سراج کے عالمگیر حالات کا ادراک رکھنے کا پتہ دیتا ہے۔ عالمی ابتری کی ایک جھلک ڈاکٹر نورین رزاق کے اس اقتباس میں ملتی ہے:

"مقتدر اقوام خود مختاری اور خود اختیاری کے نام پر مظلوم، نہتی اور کم زور اقوام کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رہی ہیں۔ گروہی، طبقاتی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر مفادات کے لیے کھلم کھلا استحصال کا رواج دنیا کی سپریم طاقت "امریکہ" کے ہاتھوں پروان چڑھ رہا ہے۔ اسے غیر منطقی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہتھکنڈوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔"[۱]

محمد حامد سراج کے ہاں عالمی انتشار کی کئی وجوہ، نوعیت اور اثرات ہیں۔ جو مختلف جہتوں کی صورت قاری کے سامنے آتے ہیں۔ ان میں ایک جہت ٹیکنالوجی کی تباہ کاری ہے۔ ٹیکنالوجی کی مدد سے جدید اور ایٹمی ہتھیار تیار کر کے نسل انسانی کی معدومی کے خطرات پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک جہت مغربی ممالک خصوصاً امریکہ اور ان کے اتحادیوں کی عیاریاں، مفاد پرستی، ظلم و بربریت اور مسلم ممالک کی بے عملی و بے حسی ہے۔ ایک نمایاں جہت تاریخی پہلو ہے۔ محمد حامد سراج صرف موجودہ دور یا ماضی قریب تک محدود نہیں رہتے بلکہ پچھلی اقوام اور نسل انسانی کی لغزشوں کو بھی بیان کر کے عالمی ابتر حالات سے جوڑتے ہیں۔

افسانہ "گلوبل ویلج" موجودہ دور کو مستقبل کی اوٹ سے دیکھنے کی ایک کوشش ہے۔ حامد سراج موجودہ ترقی کے سفر میں یقینی ہلاکت کو محسوس کر رہے

ہیں۔ موجودہ دور کا انسان اگرچہ ترقی کی راہ پر بڑی تیزی سے گامزن ہے لیکن اپنے رویوں سے خود اپنی نسل کے لیے خطرہ بنا ہے۔ افسانے میں ایک بستی (مراد پوری دنیا) کا منظر ہے کہ پوری بستی اچانک اندھی ہو گئی۔ عورتوں کا حمل گر گیا۔ زمین پر نسل انسانی کی قحط آگئی پھر برسوں بعد خبر آئی کہ ایک عورت امید سے ہے۔ پوری بستی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ بہتری کی کوئی صورت پیدا ہوئی۔ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سن رشد تک پہنچتا ہے تو بستی والے اسے دنیا کے سفر پر بھیجتے ہیں کہ کوئی خبر لاؤ دنیا کس حال میں ہے۔ ہم صدیوں سے اندھیروں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اسے سفر پر روانہ کرنے سے پیشتر اس ناگہانی آفت کے وقت اپنی دنیا کا حال بتاتے ہیں کہ ہماری آخری کاشت کیا تھی۔ یہی آخری کاشت موجودہ دور کے عالمی حالات ہیں جو حامد سراج سامنے لانا چاہتے ہیں اور اس کا نتیجہ پیش کرتے ہیں۔

کاشت یہ تھی کہ دنیا کے سات ممالک ایٹمی طاقت بن چکے تھے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کے بعد پاکستان اور بھارت ایٹمی جنگ کے دہانے پر کھڑے تھے۔ پورا ایشیا سلگ رہا تھا۔ میزائل اور دیگر ایٹمی ہتھیاروں کے تجربے بچوں کا کھیل بن چکے تھے۔ بڑے ممالک چھوٹے ممالک پر مفادات کی خاطر چڑھ دوڑتے تھے۔ دہشت گردی کے نام پر انہیں کچلنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو معاشی حوالے سے کنگال کر کے رکھ دیا تھا۔ روس ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا لیکن آزادی حاصل کرنے والے ممالک کے حکمران بدستور کٹھ پتلی تھے۔ گلف کا حال بھی وہی تھا۔ تیل کے ذخائر عالمی طاقتوں کے پنجوں میں تھے۔ معاشرے میں جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ کی برائیاں عام تھیں۔ سودی کاروبار کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ تعلیم اور علاج کے شعبے خدمت خلق کے دائرے سے نکل کر کمرشل اور کاروباری ہو گئے تھے۔ بے حیائی اور فحاشی شرافت کے زمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

بچہ دنیا گھومنے نکلتا ہے۔ دنیا ویران پڑی تھی۔ کہیں کسی آبادی کا نشان تک نہیں تھا۔ زمین کی ہولناکی اور ابتر حالت اس بات کے ثبوت تھے کہ پورا کرہ ارض ایٹمی جنگ کی لپیٹ میں رہ چکا ہے۔ ہر جگہ اتنی ساری وحشت اور بربریت کے نشان دیکھ کر وہ اپنی بستی لوٹتا ہے۔ بستی والے اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ کوئی خبر لایا ہے یا نہیں۔ لیکن وہ فقط اتنا کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر لی ہے۔ گرم سلائی اس لیے پھیر لی کہ اس کے آباواجداد نے اس کے لیے جو کچھ کاشت کیا تھا وہ اس کے لیے قابل برداشت نہیں تھا۔ مستقبل کی اوٹ سے موجودہ منظر نامے اور اس کے متوقع انجام کی جھلک دکھا کر محمد حامد سراج جو پیغام دے رہے ہیں وہ خالد قیوم تنولی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وہ شدت سے متمنی ہے کہ انسانوں کو اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیے اور کرۂ ارض کو بھیانک بربادی سے قبل از وقت محفوظ بنانا چاہیے ورنہ انفرادی تنہائی کے زمانے میں ہر کردار اپنی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر لینے پر مجبور ہو جائے گا۔"۲؎

محمد حامد سراج عالمی انتشار کے موجودہ منظر نامے تک محدود نہیں ہیں۔ وہ پچھلی نسلوں اور تہذیبوں کے انتشار کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ دو افسانوں "دائمی حبس" اور "چوب دار" میں دنیا کے مشہور زمانہ انتشارات کا کہیں اشارتاً اور کہیں تفصیلاً ذکر کر کے موجودہ دور کے انتشار کی طرف آتے ہیں۔ افسانہ "دائمی حبس" میں وہ گزشتہ تہذیبوں اور نسلوں کے مٹنے کی وجہ انسانی گناہ قرار دیتے ہیں۔ عاد و ثمود کا گزرنا (آسمانوں سے آگ برسنا اور بستیاں الٹنا)، فرعون کا غرقاب ہونا، قارون کا زمین میں دھنسنا، فراعین مصر کا غروب ہونا، ہلاکو اور چنگیز خان کا گم ہونا، مسلمانوں کا عروج پا کر زوال کی طرف آنا، مغلیہ سلطنت کا انجام کو پہنچنا۔ یہ سب انسانوں ہی کی کوتاہی اور غلط رویوں کے نتائج ہیں۔ موجودہ منظر نامہ خاصا مایوس کن ہے۔ انسان تمام تر ترقی کے باوجود دنیا کو جہنم بنانے پر تلا ہوا ہے۔ موجودہ دور میں انسان کے اعمال کی صورت حال یہ ہے:

"ہم زمین پر پھول کیوں نہیں اگاتے۔۔۔؟ بارود کیوں کاشت کرتے ہیں۔۔۔؟ تتلیوں کی بجائے جنگی جہاز کیوں تلاش کرتے ہیں۔۔۔؟ تتلی سا نرم بچہ آہن گر کیوں ہو جاتا ہے۔۔۔؟ یہی سوچ کر سانس کا پنچھی پھڑ پھڑاتا ہے۔۔۔

بوسنیا، چیچنیا، کشمیر، فلسطین، افغانستان، کوسووو۔۔۔ ہر جگہ آگ لگی ہے۔ ملکوں کی چار دیواری میں مجھے سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ پنچھی پھڑ پھڑاتا ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کی تپش مجھے رگ جاں سے زیادہ قریب محسوس ہوتی ہے۔۔۔"۳؎

یہی موضوع ذرا وسیع کینوس کے ساتھ افسانہ "چوب دار" میں ملتا ہے۔ دنیا کا آخری انسان دنیا کی تباہ شدہ حالت دیکھ کر سوچ رہا ہے کہ اتنی تباہی کس نے مچائی۔ کیا یہ میں ہی ہوں جس نے دنیا کو خون میں رنگ دیا۔ بارود کی نذر کیا۔ موجودہ تباہی کی طرف آنے سے پیشتر دنیا کے تمام بڑے حوادث اور خون ریزیوں کا ذکر ملتا ہے۔ تباہی کے لیے تباہی مچانے والے انسان کی طرف سے جواز، تاویلیں اور وجوہ پیش کیے گئے ہیں۔ آخر میں اس کے نتائج سامنے آتے ہیں۔ پہلا جواز یہ پیش کیا گیا کہ

میرے ہاتھوں اربوں انسانوں کا قتل ہوا لیکن میں نے تو امن قائم کرنے کے لیے نیزہ بردار، آہن پوش، تلوار بکف بھیجے تھے۔(جہازوں کی ایجاد کی طرف اشارہ کہ) وقت کے ساتھ لوہے کو اڑان بارود برسانے کے لیے تو نہیں دی تھی۔ تباہ کاری کی ایک وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ نسل انسانی کی تباہی ان انسانوں کے غلط فیصلوں کا نتیجہ ہے جو "سر" والے تھے۔ ان "سر" والوں نے اندھے فیصلے کیے۔ کیونکہ ان کی آنکھیں خونی مناظر دیکھ کر خون بن کر بہ گئی تھیں۔ ایک وجہ اور یہ ملتی ہے کہ حکمران وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنا بھول گیا تھا اور جو حکمران وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنا بھول جاتا ہے اس کی قوم اندھیروں میں بھٹک جاتی ہے۔ خون ریزی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نیا بادشاہ آنے پر پہلے بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔

اس کے بعد دنیا کا یہ آخری انسان صدیوں کی ترتیب بھول جاتا ہے کہ کس صدی میں کون سی بھول ہو گئی تھی اور کون سی تباہی مچائی تھی۔ اس کے سامنے چرمی نقشے میں صدیاں الٹی لٹک رہی ہیں۔ ایک صدی میں دیکھ لیتا ہے کہ اس نے عبادت گاہیں مسمار کرائی ہیں۔ حالانکہ عبادت گاہیں امن کی علامت ہوتی ہیں لیکن وہ عبادت گاہوں کو عبادت گزاروں سمیت مسمار کر چکا ہوتا ہے۔ آگے جا کر ایک اور منظر دیکھتا ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا اس کے لیے قابل شناخت نہیں ہوتا۔ کوے زمین کھود رہے ہیں اور بہت سی انسانی لاشیں قطار میں پڑی ہیں۔ وہ سوچتا ہے ہابیل قابیل کا دور ہوتا تو ایک کوا ہوتا، اتنے سارے کوے اور اتنی ساری لاشیں۔ موجودہ زمانے میں بھی انسانی نسل تو معدوم ہے، یقیناً یہ پرانا منظر ہو گا۔ چرمی نقشے میں ایک منظر ہلاکو اور چنگیز خان کے ان میناروں کا نظر آتا ہے جو انھوں نے انسانی سروں سے تعمیر کیے تھے۔ اس سے آگے سکندر اعظم کی تباہی کی داستان پر نظر پڑتی ہے۔ مزید آگے جا کر دونوں عظیم جنگوں کے خونی مناظر دیکھ لیتے ہیں۔ جب ایک آہن پوش دنیا بچانے کا جھانسا دے کر لاکھوں انسانوں کو نگل جاتا ہے۔ جہاں دہائیوں تک نسلیں اپاہج پیدا ہوئیں اور جہاں سے سبزہ روٹھ گیا۔

دنیا کا آخری انسان یہ تمام مناظر دیکھ کر موجودہ زمانے تک پہنچ جاتا ہے۔ موجودہ صدی کی پہچان بھی نہیں کر پاتا۔ اس صدی کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ یہ کون سی صدی ہے جس میں لوہے کو میں نے اڑان دی تھی۔ یہ بارودی پرندے کیوں منڈلا رہے ہیں۔ یہ کیسے تیر ہیں جو آگ اور بارود کی لپک لیے ہزاروں میل لمحوں میں طے کر رہے ہیں۔ اسی صدی میں وہ ایک بازار کا منظر دیکھ لیتا ہے کہ بارود کی دکانیں سجی ہیں۔ عجیب قسم کے ہتھیار بیچے جا رہے ہیں۔ ایسا بارود بھی جو زمین سے آکسیجن کھینچ لیتا ہے۔ سانس لینے والے مر جاتے ہیں لیکن سامان کا نقصان نہیں ہوتا۔ لاکھوں جہاز دیکھ لیتا ہے۔ آگے عجیب الخلقت مخلوق دیکھ لیتا ہے جو انسان ہرگز نہیں ہوتے۔ وہ سمندر کنارے تک جاتے ہیں اور اپنے جیسی مخلوق سے ہاتھ ملا کر سمندر میں اتر جاتی ہے۔ سمندر پر لوہے کا ایک طویل تختہ ہوتا ہے، جس پر سینکڑوں جنگی جہاز کھڑے ہوتے ہیں۔ سمندر کے اندر بھی وہی مخلوق بارود سے لیس گھوم رہی تھی۔ ان کا مرغوب مشغلہ کمزور اقوام کی لاشوں سے ناشتہ کرنا تھا۔ کچھ جگہوں پر سیام فام ہوتے ہیں۔ جن کا کوئی نام نہیں لیکن ان پر ایسے ستم ڈھائے گئے جو چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک خطے کا ایک بوڑھا اپنی عبا سمیٹتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارا قصور اتنا تھا کہ ہماری زمینوں میں تیل کی نہریں بہتی تھیں، اب صرف خون کی نہریں بہتی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ بیان ہونے کے بعد افسانے کا اختتام یوں ہوتا ہے:

"اس کے حواس پلٹ رہے تھے۔۔۔ اسے وہ لمحہ یاد آیا جب زمین کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس نے زمین پر حکومت کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ انسانوں کو محکوم بنانے کے لیے اس نے اپنی صدیوں کی ایجادات پر ایک نظر ڈالی۔ اس نے اپنے ہی ہاتھوں زمین کا رنگ بدل ڈالا تھا۔ اب کہیں کوئی متنفس نہ تھا، جس پر حکومت کرتا۔"[۱۴]

موجودہ عالمی انتشار، مغرب کی عیاری، مسلم ممالک کی بے حسی اور عرب ممالک کی عیاشی کا احاطہ کرنے والے دو افسانے "وقت کی فیصل" اور "بہت دیر کر دی" ملتے ہیں۔ اول الذکر افسانے میں ایک افسانہ نگار (کردار؛ مسلم دنیا کا نمائندہ) رات کے وقت اپنے گھر میں بیٹھا ہے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ دروازہ کھولتا ہے تو باہر ایک نحیف و نزار بوڑھا (مسلمانوں کے ضمیر کی علامت) کھڑا ہوتا ہے۔ اس کا نام عزیز ہے جو افسانہ نگار کے کسی افسانے کا کردار ہے۔ افسانہ نگار اسے گھر لا کر صوفے پر بٹھاتا ہے۔ خبروں کا وقت ہوتا ہے، افسانہ نگار ٹی وی کھولتا ہے، عزیز بابا کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور التجا کرتا ہے کہ ٹی وی بند کرو۔ افسانہ نگار کہتا ہے کہ خبرنامے کا وقت ہے تازہ خبریں سنتے ہیں۔ عزیز بابا کہتا ہے اسی لیے تو ٹی وی بند کرنے کا کہہ رہا ہوں۔ خبرناموں سے مسلمانوں کا لہو رستا ہے۔ عالمی طاقتوں کی تھوتھنیوں سے رستا لہو مجھے پاگل کر دیتا ہے۔ مغربی طاقتیں دہشت گرد ہیں۔ ان کی زبانوں کو مسلمانوں کے خون کی چاٹ لگ چکی ہے۔ افسانہ نگار الماری سے کپ نکالتا ہے۔ جو پانی ابالنے کے لیے رکھا تھا، کپ میں انڈیلنے سے لہو بن گیا۔ وہ خوف زدہ آنکھوں سے عزیز بابا کو دیکھتا ہے جو صوفے پر پرسکون اور خاموش بیٹھا ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہتا ہے بیٹا یہ ہمارا اپنا لہو ہے۔ ذرا غور کرو گھر کی دیواروں، بازاروں اور شہروں میں ہر جگہ لہو کے چھینٹے نظر آئیں گے۔ میں چاہتا ہوں تم یہ خون دیکھ لو اور اس پر افسانے لکھو۔ عزیز بابا مسلمانوں کی موجودہ پستی اور مار کی وجہ یوں بتاتے ہیں:

"ہم اتنے سہمے ہوئے اور خوف زدہ کیوں ہیں۔۔۔؟ شجاعت اور خود داری جو ہماری میراث تھی وہ کیا ہوئی؟ حکمرانوں کے دل میں بزدلی کیوں ڈیرا ڈالے بیٹھی ہے۔۔۔؟ ہمارے قلوب سے خوف خدا نکل گیا ہے۔ آسائشات نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ ہم نے تن آسانی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ وہ دنیا جس کی حیثیت رب کریم کی نظروں میں مکھی کے پر کے برابر نہیں تھی، ہم اسی غلاظت کی دلدل میں دھنس گئے ہیں۔ اسی لیے دشمنوں کے قلوب سے ہمارا رعب جاتا رہا۔"۵

اس کے بعد عزیز بابا عالمی انتشار اور مختلف خطوں میں مسلمانوں پر ہونے والے تشدد کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ رملہ کی گلیوں میں اسرائیلی ٹینکوں کا فلسطینی بچوں کو کچلنا، کابل، قندھار، قندوس اور تورابورا پر دیو ہیکل جنگی جہاز کا بارود برسانا۔ عزیز بابا کی نشاندہی کے علاوہ بھی اگر دیکھ لیا جائے تو مغرب کی دہشت گردی ان خطوں تک محدود نہیں بلکہ بدخشاں، ہرات، بامیان، شبرغان، دشت لیلیٰ اور دیگر شہروں کی ویرانی و بربادی بھی مغربی طاقتوں کی سنگ دلی کا نوحہ سناتے ہیں۔ افسانہ نگار عزیز بابا کی باتوں سے اکتا جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عزیز بابا اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اسے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک فیشن شو دیکھنا ہوتا ہے، ایم ٹی وی پر گانوں سے لطف اندوز ہونا ہوتا ہے۔ اولمپک کی جھلکیاں دیکھنی ہوتی ہیں۔ افسانہ نگار بہانا تراشتا ہے کہ مجھے نیند آئی ہے۔ عزیز بابا اس کی دل کی کیفیت سمجھ چکا ہوتا ہے اس لیے جاتے ہوئے کہتا ہے کہ ذرا دیکھو، اپنے ارد گرد خون کے چھینٹے، الیکٹرک کیٹل، فرنیچر اور فرش اپنا رنگ بدل چکے ہیں۔ یہاں تک کے کپڑوں نے بھی آگ پکڑلی ہے۔ عزیز بابا اداس، ملول اور غمزدہ آنکھوں کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ اس کے رخصت ہوتے ہی منظر بدل جاتا ہے۔ سب کچھ ایک پل میں نارمل ہو جاتا ہے۔ مگ خون کی بجائے کافی سے بھرے ہوتے ہیں، کپڑوں کو لگی آگ سرد ہوتی ہے، دیواروں سے چھینٹے صاف ہو چکی ہوتی ہیں۔ افسانہ نگار کافی کا مگ اٹھا کر ٹی وی آن کرتا ہے۔ سامنے فلسطین کے کربناک مناظر چل رہے ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار چینل بدل کر فیشن شو دیکھنے لگتا ہے۔

محمد حامد سراج نے اس افسانے میں مسلم دنیا کو پڑنے والی مار کی اصل وجہ ضمیر کے مرنے اور دل سے خوف خدا کے رخصت ہونے کو قرار دیا ہے۔

افسانوں "گلوبل ولیج"، "دائمی حبس" اور "وقت کی فصیل" کا موضوعاتی جائزہ لینے کے بعد انجنیئر ذکاءاللہ مجموعی رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"عالمی سیاست اور اس کے اثرات سے پیدا شدہ صورتحال کو موضوع بنایا ہے۔ عالمی طاقتوں کی ایٹمی اور سائنسی تباہ کاریوں سے بے شمار مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ جس نے پورے کرہ ارض پر رہنے والی مخلوق کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔"۶

افسانہ "بہت دیر کر دی" عالمی انتشار پر مبنی افسانہ ہے۔ اس میں مغرب خصوصاً امریکہ کی بربریت اور مسلم ممالک خصوصاً عرب کی بے حسی، عیاشی اور عاقبت نااندیشی کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس افسانے میں ایک افسانہ نگار کے حوالے سے تمام پہلو سامنے لائے گئے ہیں۔ ایک افسانہ نگار تباہی کے بعد افسانہ لکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اس نے دیر کر دی۔ یہی افسانہ اگر وہ پہلے لکھتا تو اپنا فرض ادا کرتا۔ کب لکھنا چاہیے تھا یہ افسانہ؟ تب؛ جب ابھی فضا میں آکسیجن کی جگہ بارود کی بو نے نہیں لی تھی۔ (یہی بارود کی بو اگلے دور میں پوری مشرقی انسان کو آکسیجن کی جگہ کھینچنی ہے۔ قلم میں روشنائی کی جگہ بارود نے بھرنا ہے۔ یہاں تک کہ الفاظ نے بھی بارود میں ڈھل جانا ہے)۔ جب ابھی صدام حسین نے کویت کو تاراج نہیں کیا تھا۔ جب ابھی کویت سے عراقی افواج کو نکالنے کے بہانے امریکہ نے بغداد پر حملہ نہیں کیا تھا۔ جب ابھی ورلڈ ٹریڈ سنٹر زمین بوس نہیں ہوئے تھے اور اس انہدام کے نتیجے میں امریکی جہازوں نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائی تھی۔ مغرب کو یہ طاقت ایک دم نہیں ملی بلکہ اہل مغرب برسوں سے اس کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ برسوں سے وہ بارود جمع کر رہے تھے اور اہل مشرق تعیش کی زندگی میں بیگانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اہل مشرق کی عاقبت نااندیشی اور مغرب کی عیاری کی تصویر افسانے میں یوں ملتی ہے:

"اس وقت مغرب بارود تیار کر رہا تھا۔۔۔ اور عرب تیل بیچ کر پرفیوم خرید رہے تھے۔ خوشبو دونوں کی مدہوش کر دینے والی تھی۔ مغرب بارود کی خوشبو اور مشرق پرفیوم کی خوشبو میں مدہوش تھا۔ اہل مشرق اپنی خواب گاہیں مہکا کر سدھ بدھ کھو بیٹھتے اور پرفیوم کی مہین دیوار کے اس پار کا منظر ان کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ ان کو یہ فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ خبر رکھتے کہ وقت کو کروٹ لینے میں کتنی دیر ہے۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔"۷

عرب ممالک تیل بیچ کر آرام خریدتے رہے۔ عرب کے عام شہریوں نے بھی اپنے گھروں کو محلات میں تبدیل کر دیا تھا۔ پوری عرب دنیا الف لیلوی دنیا میں رہ رہی تھی۔ زمین پر ہی جنت بسالی تھی۔ جنت بسا کر شداد کا انجام بھول گئے تھے۔ لیکن اس دور میں افسانہ نگار غم روزگار و معاش میں سرگرداں تھا۔ اس دور میں (جب مغرب بارود جمع کر رہا تھا اور مشرق عیاشی میں زندگی گزار رہا تھا) افسانہ نگار رزق کی خاطر سڑکوں کی خاک چھانتا تھا۔ غریب الوطنی کا شکار تھا۔ کچھ عرصہ بعد افسانہ نگار بے روزگاری سے تنگ آ کر وطن واپسی کے لیے پائی پائی جوڑنے لگا اور مغرب بدستور بارود جوڑتا رہا۔ تب کہیں جا کر موجودہ منظر نامہ تخلیق ہوتا ہے۔ عراق

پر امریکی فوجی سیلاب، افغانستان کی تباہی، فلسطین کا مقبوضہ ہونا، یہ سب ایک طرف برسوں کی منصوبہ بندی اور دوسری طرف برسوں کی بے حسی کا نتیجہ ہے۔ افسانہ نگار موجودہ منظر نامے کو افسانے میں بیان کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے قلم سے روشنائی ختم ہو چکی ہے۔

مسلم امہ کی کم فہمی اور عاقبت نااندیشی کے حوالے سے اس افسانے کے تناظر میں انجنیئر ذکاءاللہ رقم طراز ہیں:

”افسانہ نگار نے اس کوتاہی اور دیری کا برملا اعتراف کیا ہے کہ ہماری پس ماندگی، تباہی اور ہماری امت کی بہترین صلاحیتوں اور قربانیوں کے ضیاع کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم عالمی سطح کی سیاسی و سماجی صورتحال کو درست طور پر سمجھ نہ سکے۔۔۔ ہماری ملت اسلامیہ کا یہ المیہ رہا ہے کہ ہم نے ہمیشہ حالات کا درست اندازہ لگانے میں کوتاہی برتی ہے۔“۸؎

افغان جنگ طاقتوں کے بیچ مفاد کی رسہ کشی ہے۔ امریکہ دنیا میں امن قائم کرنے کے بہانے افغانستان میں داخل ہوا جبکہ امریکی فوج کے خلاف جہاد کے نام پر خفیہ قوتوں نے معصوم ذہن رکھنے والوں کو ورغلا کر افغان عوام کو نشانہ بنایا۔ افسانہ ”خرادمشین“ میں محمد حامد سراج یہی نکتہ پیش کرتے ہیں کہ یہ ”ہماری جنگ“ ہرگز نہیں ہے۔ افسانے کی کہانی اعجاز کے گرد گھومتی ہے۔ جو سکول میں پڑھائی میں کمزور ہوتا ہے لیکن ایک استاد اس کو پسند ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے مضمون کے لیے اضافی محنت کرتا ہے۔ یوں وہ اس استاد کا منظور نظر بن جاتا ہے۔ سکول کے بعد اعجاز کچھ عرصہ کے لیے غائب رہتا ہے۔ اچانک ایک دن شہر میں اعجاز اور استاد کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے۔ استاد اس سے حال احوال پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے افغان جہاد میں شرکت کا فیصلہ کیا ہے۔ استاد اسے لاکھ سمجھاتا ہے لیکن ”برین واش“ کے زیر اثر وہ کسی قسم کی وضاحت قبول نہیں کرتا۔ اعجاز یہ جواز پیش کرتا ہے کہ یہ خون ریزی نہیں بلکہ سپر پاور کے خلاف لڑائی ہے۔ استاد صرف اتنا کہتا ہے کہ تم کسی اور کی جنگ میں ملوث ہو گئے ہو، تمہیں سمجھانا مشکل ہے۔ برسوں بعد استاد اور اعجاز کی ملاقات کسی دور دراز کے علاقے میں پھر سے ہو جاتی ہے۔ اس ملاقات میں اعجاز اپنی ندامت کا اظہار کرتا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے۔ وہ حقیقت جان گیا تھا کہ یہ جنگ ہرگز ہماری نہیں ہو سکتی۔ اپنی کایا پلٹ کی کہانی اپنے استاد کو سناتا ہے کہ ایک رات کمانڈر نے ہم کو بلایا اور نئی حکمت عملی سمجھائی کہ اب ہمارے فدائی جوان جسم کے ساتھ بم باندھ کر عوامی مقامات پر خود کو اڑائیں گے۔ ان کو جنت کی ضمانت اللہ دے گا۔ جس سے میں نے اختلاف کیا کہ یہ تو خودکشی ہے جبکہ عوام کو مارنا کہاں کا جہاد ہے۔ اپنا منصوبہ کمانڈر کچھ یوں بیان کرتا ہے:

”خودکش بمبار اپنے ٹارگٹ پر پہنچے گا۔۔۔ اسے فرشتہ پکارے گا۔۔۔ وہ اللہ اکبر کہہ کر پن کھینچ لے گا۔۔۔ ہم ان کی راتوں کی نیندیں حرام کر دیں گے اور دن کا جینا عذاب بنا دیں گے۔۔۔“

”کمانڈر! کن کا۔۔۔؟“

”دشمن کے دوست کا۔۔۔ اس کی عوام کا۔۔۔!“

”لیکن دشمن تک تو ہمارا خودکش بمبار قیامت تک نہیں پہنچ سکتا۔“

”وہ سبیل بھی سوچیں گے۔۔۔“۹؎

عوام کا نشانہ بننا صرف ان کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ امریکہ اس لحاظ سے کئی گنا زیادہ ظالم اور سنگ دل ثابت ہوا ہے۔ افسانہ ”چمکیلی چیخ“ میں امریکی ڈرون حملے میں ایک غریب خاندان کے ملیامیٹ ہونے کا منظر یوں ملتا ہے:

”وہ اس کے قریب آیا اور بے جان لہجے میں بولا؛ ”اس گھر پر ڈرون حملہ ہوا ہے۔“

”اور گھر والے۔۔۔؟“

”سب اللہ کے پاس چلے گئے۔ ان دنوں اللہ کے پاس پہنچانے کا ٹھیکہ امریکہ کے پاس ہے جی۔۔۔!“

ملبے کے ڈھیر پر موت پڑی تھی۔ صرف موت۔۔۔ اچانک اس نے ایک چمکیلی چیخ سنی۔“۱۰؎

ان دونوں مثالوں کو دیکھا جائے تو اس عالمی دہشت گردی اور انتشار کا شکار صرف معصوم اور عام لوگ ہی ہیں۔ اس جنگ کا ایندھن عوام نے ہی بننا ہے۔

درجہ بالا بحث میں یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ محمد حامد سراج کے ہاں عالمی انتشار اور بدامنی کی وجہ انسان کا راہ راست سے بھٹکنا، مفاد پرستی، طاقت اور دولت کا حصول، ٹیکنالوجی کا غلط استعمال ہے۔ عالمی انتشار کی ایک جہت مسلم دنیا پر ظلم ڈھانے کی ہے، ایک جہت کمزور مگر وسائل سے مالا مال ممالک کا استحصال ہے۔ اسی طرح اس کے اثرات ونتائج یہ نکلتے ہیں کہ نسل انسانی کی معدومی کا خطرہ لاحق ہے۔ دنیا بدامنی کی لپیٹ میں آچکی ہے۔ عدم استحکام اور شورش دنیا کے ہر خطے میں نظر آرہا ہے۔

حوالہ جات

(1) نورین رزاق، ڈاکٹر، "پاکستانی خواتین افسانہ نگار (اردو افسانے کی روایت کے تناظر میں)"، لاہور، دستاویز مطبوعات، ۲۰۱۶ء، ص۱۸۵

(2) خالد قیوم تنولی، "محمد حامد سراج؛ درد کا ہمدرد قصہ گو"، مشمولہ مجموعہ حامد سراج، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص۱۶

(3) محمد حامد سراج، "وقت کی فصیل"، اسلام آباد، پورب اکادمی، طبع دوم ۲۰۰۹ء، ص۶۹، ۷۰

(4) محمد حامد سراج، "چوب دار"، اسلام آباد، پوب اکادمی، طبع دوم ۲۰۰۹ء، ص۱۶۱

(5) محمد حامد سراج، "وقت کی فصیل"، ۱۰۳

(6) ذکاءاللہ، انجینئر، "محمد حامد سراج کے افسانوں کا فنی وفکری جائزہ"، تحقیقی مقالہ برائے ایم فل، ص۱۶۹

(7) محمد حامد سراج، "برائے فروخت"، اسلام آباد، پوب اکادمی، طبع دوم ۲۰۰۹ء، ص۴۱

(8) ذکاءاللہ، انجینئر، محولہ بالا، ص۱۷۱

(9) محمد حامد سراج، "برادہ"، لاہور پبلیشنگ ہاوس یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، ۲۰۱۸ء، ص۴۵

(10) ایضاً، ص۵۹